INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 3, ISSUE 3, 2025 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

اردو میں مابعد جدیدتھیوری کی معنیاتی تعبیرات

MEANINGS OF POSTMODERN THEORY IN URDU

Dr. Uzma Noreen
Uzma.noreen@gcwus.edu.pk
Lecturer, Department of Urdu, Government College Women University, Sialkot, Pakistan

Abstract

The concept of postmodernism has now become common in Urdu, but the relationship between it and post structuralism is not yet widely known. Often, both terms are used together and interchangeably. However, it is clear that post structuralism is a theory that discusses philosophical issues, while postmodernism is more of a situation than a theory, that is, the rapidly changing state of modern society, the mood of the new society, problems, mental attitudes or the change in the socio-cultural atmosphere or culture that has the status of a crisis. For example, we can say, POST-MODERN CONDITION “post-modern condition” but we cannot say “post structural condition”, so post structuralism is more related to theory and postmodernism is more related to the mood and culture of society. However, it is not that there have been no attempts to theorize or theorize postmodernism. Some such attempts have been made and this series is ongoing. Some thinkers have discussed both the postmodern situation and theory, but if you look closely, a large part of the theory is the same as that of post structuralism, that is, the philosophical premises of postmodernism are the same as those of post structuralism.

Keywords: *Mental Attitudes, Post Structuralism, Postmodern Condition, Postmodernism, Socio-Cultural Atmosphere*

Corresponding Author: Dr. Uzma Noreen (Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot.)
Email: Uzma.noreen@gcwus.edu.pk

انسانی فکر ہر دور اور عہد میں کسی نہ کسی صورت اور شکل میں موجود رہی ہے۔ حقیقت کو پرکھنے کا عمل جب انسان نے شروع کیا تو اس کے بعد نظریے اور تھیوری کی شکل میں اس کی بنیا درکھی گئی۔ مثلا اگر ہم قدیم تہذیبوں کا جائزہ لیں تو جیسے کہ سمیری تہذیب ،مسوٹاپوٹامی اور بابلی تہذیب۔ ان سب کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی انسانی شعور کی نشانیاں ہیں۔ ان ادوار کے تمام نظریات ،فلسفیانہ مکاتب فکر اوررجحانات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسانی ذہن ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے کئی صدیوں کا فاصلہ طے کر چکی ہیں۔ اس کے پیچھے ایک مضبوط تنقیدی شعور کارفرما رہاجو اشیاء کو پرکھنے اور ان کی تعبیرات پیش کرنے کا متقاضی تھا۔ اس طرح انسانی شعور نے نئے تصورات، نظریات اور فلسفیانہ مکاتب فکر تشکیل دیئے جنھوں نے آنے والے دور کے مفکرین کو نئے زاویے دکھلا دیئے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکرین آتے ہیں۔ جب ہم ادبی تھیوری کے تاریخی ارتقا پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سولہویں اور اٹھارویں صدی تک ادبی تھیوری زیادہ واضح ہوئی اور اس حوالے سے کتب سامنے آئیں۔ فلپ سڈنی نے ۱۵۹۵ء میں (Defense of Poesie)لکھی جس میں انھوں نے ادبی فن کار کو محض قصہ گو نہیں بلکہ ایک موجد اور تخلیق کار کیا۔ سترہویں صدی میں جان ڈرائیڈن نے ۱۶۶۸ء میں اپنی مشہور زمانہ تصنیف (Easy on Dramatic Posy)لکھی۔ جو فرانسیسی ڈراما نگار پیٹر کورنیل کے نظریات کی پیرون پر مشتمل تھی۔ اس طرح ۱۷۱۱ء میں الیگزینڈر پوپ نے Easy on Critcism تحریر کی جو انگریزی کلاسیکی تنقید کا نقطہ عروج مانی گئی۔ بعدمیں انگریزی اور جرمن رومانی فکر و ادب نے آرٹ کے نو کلاسیکل تصور کو چیلنج کر کے جمالیات کے نئے اصول مرتب کیے جو جرمنی فلسفے کی بنیاد بنے۔ اس طرح ۱۷۹۰ء میں ایما نوئل کانٹ کی فی کتاب Critique of Judgment نے جمالیاتی حساسیت کے حوالے جمالیاتی فکر میں عقل اور ادراک کو مرکزی نقطے میں شمار کیا۔ ۱۸۰۰ء میں ورڈذورتھ اور کولرج کے تحریر کردہ Lyrical Balladsنے دھوم مچا دی اور رومانویت کو مزید دوام بخشا۔ انیسویں صدی میں سیکولر روحانیت کو عروج ملا۔اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ارنلڈ کا خیال تھا کہ تنقید ی قوت تخلیقی قوت سے کم ہوتی ہے۔"مگر انھوں نے یہ بھی کہا کہ تنقید ،فلسفے کے ساتھ مل کر ایک فکری صورتِ حال پیدا کرتی ہے جس سے تخلیقی قوت کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔"(۱)

اس دوران نطشے اور وائلڈ مغربی ادب کو جمالیاتی اور فلسفیانہ روایت میں انقلاب کےرہنماؤں کے روپ میں ابھرے۔انھوں نے روایتی اقدار اور جمالیاتی روایت کو چیلنج کرتے ہوئے جدید اور تجربی نظریاتی مباحث کو فروغ دیا۔ اس طرح نطشے کی کتاب(The Birth of Teddy)اور وائلڈ کی کتاب (The critic as Distrust)میں معاصر تھیوری خمیر تیار ہوا۔ ان دو نقادوں نے ادب میں موجود اقدار، تصورات اورروایتی اصولوں کو توڑ کر نئی راہ ہموار کی۔ ان کے رجحانات فکری گونج سگمنڈ فرائیڈکے نظریات میں بھی نظر آتی ہے۔

اوپر کی ساری بحث نے مابعد جدید تھیوری کی بنیاد بنی اور فریم ورک بنانے میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ جس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ انسانی تجریہ کیا؟ اور آرٹ کس کی نمائندگی کرتا ہے۔اس سے ۱۹۵۰ء کے بعد سے شروع ہونے والے مابعد جدید رجحانات نے انسانی تجربے پر سوالات اٹھائے اور انسانی صداقت کو تشکیک پرلا کر کھڑا کیا۔

مابعدجدید تھیوری ایک ادبی فلسفہ ہے جو سماجیات ، لسانیات، فنون لطیفہ ، ثقافتی مطالعات سمیت کئی شعبوں پر اثرا انداز ہوئی۔ اس کے نمیاں مکاتب فکر ساختیات ،پس ساختیات، نوتاریخیت، رد تشکیل، بین المتونیت، مابعد نوآبادیاتی تھیوری،مابعدتانیثیت اور ثقافتی تھیوری شامل ہیں۔اس نظریے کے تحت ساری بحثوں کے بعد ہم مابعد جدید تھیوری کی معنیاتی تعبیرات پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ تھیوری آج کے جدید دور میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ،سوشل میڈیایا، مصنوعی ذہانت اور مابعد سچائی کے مباحث میں اہم کردارادا کر رہی ہے۔ اکیسویں صدی کے

یہ مباحث آج کے انسان کے لیے چیلنج بن کر رہ گئے ہیں اور علم، طاقت، شناخت اور زبان کے حوالے سے نئے رجحانات کی وجہ سے سے ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے۔اس تھیوری کو ۱۹۸۰ء کے بعد عروج ملا۔جس میں مغرب میں فرانسو کیوتار،ژاں باد ریلا،ریچرڈ روئی،ڈونا یاراوے اورلنڈا ہوچیون نے مابعد جدید اسلوبیاتی پہلوؤں کا تجزیہ کیا۔ جس سے مابعد جدید فلسفہ ادب ،سماجی علوم اور ثقافتی مطالعات میں فریڈرک جیمسن نے پومسٹ ماڈرن ازم اور ہوی بھابھا نے مابعد نوآبادیاتی مباحث میں قومی ثقافتی شناخت کے تصور کو سرِ فہرست رکھا۔ اس طرح ژان دریدا نے شناخت اوراجنبیت کے مسائل کو ڈسکس کیا۔

۲۰۰۰ء کے بعد مابعد جدید تھیوری کے میلانات کو ڈیجیٹل میڈیا ،سائبر ادب اور ثقافتی مطالعہ میں دیکھا گیا۔۲۰۰۱ء میں سوفو پس ڈیجیٹی عہد ،ہ شناخت اور مابعد جدیدیت کے اثرات کو پرکھا۔اس طرح بعدمیں نکولس روپرونے (Postmodernism in the Digital age))اور ۲۰۱۰ء میں نائلز سکلر نے (Postmodernism Media and Society)میں ڈیجیٹل میڈیا کے اثرات کا جائزہ لیا اور اس کے ساتھ سوشل میڈیا اور انٹر نیٹ میڈیا کے تعلق کو پرکھا۔ ۲۰۱۰ء میں مابعدجدیدت نے ڈیجیٹل دنیا اور مصنوعی ذہانت کے سوالات پراثرانداز شروع ہونا شروع کیا۔ ۲۰۱۲ء میں نیلمئیر کی کتاب (The Postman condition)میں مصنوعی ذہانت اور انسانی شناخت پر تخلیق کی گئی۔ اس طرح ۲۰۱۸ء میں جوناتھن لوکس کی مرتب کردہ کتاب (Postmodernism is they age of Ai)کے ذریعے سے ڈیجیٹل عہد میں علم اور حقیقت کی رد تشکیل کو توجہ کا مرکز بنایا۔ اسی طرح اس کے پانچ سال بعد یعنی ۲۰۲۳ء میں نئی مابعد جدید تھیوری میں مارٹن گرفتھ نے Post-Truth and Post modernism میں ایک نئی اصطلاح یعنی مابعد سچائی (Post Truth)وضع کی اور اس پر کام کیا۔ اس طرح اب ہم ژاک دریدا،میٹل فوکو اور جولیا کرسٹینوا لہ مابعد جدید فکر کے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ ژان درید کے مشہور نظریے رد تشکیل کے حوالے سے یہ اقتباس اہم ہے:

"ژاک دریدا کی مابعد فکر نے ادب و تنقید میں ایک انقلاب برپا کیا۔ جس کی بنیاد رد تشکیل کے تصور پر ہے۔ جو کسی بھی متن میں موجود داخلی تضادات کو نمایاں کرتا ہے۔ اور دکھاتا ہے کہ کئی معنی ہمیشہ افتراق والتوا اور معنیاتی انتشار کا شکار رہتے ہیں۔ دریدا کے مطابق زبان ایک مستحکم اور مربوط نظام کے بجائے ایک مسلسل تغیر پذیر عمل ہے جہاں ہمیشہ نئے سیاق میں معنی کا امکان ہوتا ہےاور اگلے ہی لمحے ان کی ردتشکیل ہو جاتی ہے۔"(۲)

انھوں نے فلسفہ میں رائج مرکزیت اور صوت مرکزیت کی مخالفت کی۔ان کے نزدیک مغربی فلسفہ تقریر تحریر تخالف پر مبنی ہے۔ جہاں تقریر کو تحریر کی بجائے زیادہ حقیقت کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ تحریر زیادہ بامعنی ہونی چاہیئے۔ یعنی وہ کسی بھی متن میں ایک نقش موجود ہوتا ہے جو اپنی ابتدا کی طرف اشارہ کرنے کی بجائےنئے معانی بناتا ہے۔

میٹل فوکو کی مابعد جدید فکر کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے :

"میٹل فوکو کی مابعد جدید فکر میں ضابطی علم، طاقت اور کلامیہ کے باہمی تعلق کی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔فوکوکے مطابق علم محض ایک جانبدارانہ حقیقت نہیں بلکہ سماجی،سیاسی اور ثقافتی طاقت کا ایک اہم جزو ہے۔ جو افراداور اداروں کے درمیان تعلقات اور رشتوں کو تشکیل دیتا ہے ۔"(۳)

جولیا کرسٹیوا کی مابعد جدید فکر کے حوالے سے یہ اقتباس اہم ہے :

"جولیا کرسٹیوا نے مابعد جدید ادبی تنقید میں ایک منفرد اور متنوع نقطہ نظر پیش کیا جس میں اس نے زبان، نفسیات اور ثقافتی شناخت کے پیچیدہ تفاعل کو مرکزی حیثیت دی۔ ان کی فکر کا بنیادی عنصر بین المتونیت کا تصور ہے جس کے مطابق کوئی ادبی متن مکمل طورپر خود مختار نہیں ہوتا بلکہ دوسرے متون سے گہرائی سے جڑا ہوا ہے۔"(۴)

مابعد جدید کی معنیاتی تعبیرات کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ یہ کسی بھی متن کی تعبیر و تفہیم کا عمل ہے اور اس کی جڑیں قدیم یونانی فکر سے جا ملتی ہیں جو ارسطو،افلاطون اور فیو آف اسکندریہ جیسے

فلسفیوں کے افکار کے مرہون منت ہے۔ ان میں تاریخی پیرائیوں اور ثقافتی بیانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ یعنی کوئی بھی متن مکمل طور پر خود مختار نہیں ہوتا اور یہ کہ کلامیہ کے ذریعے سماجی طاقتیں اور ثقافت اصول تشکیل پاتے ہیں ۔ یہ ایک نئے سیاق میں ہوتا ہے جس سے معنی کی قطعی حیثیت غیر ممکن ہو جاتی ہے۔

یہ نظریہ جدید ادبی تعبیرات کے حوالے سے جدیدیت کے بعد نمودار ہونے والا رجحان ہے جس میں حقیقت اور معنی کو حتمی اور یکساں نہیں سمجھا جاتا بکہ ہر قاری سیاق اور متن کے باہمی تعلق سے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ وزیر آغا کے بقول :

"مابعد جدیدیت بین المتونیت کو ایک ارو متن پر دوسرے متن کی تخلیق کے رجحان کو اہمیت دیتی ہے۔ معنی کی مرکزیت یا ادبی معیاروں کی فوقیت سے انکار کرتی ہے۔"(۵)

اردو ناقدین کے مطابق یہی معنیاتی تبدیلی قابلِ قبول ہے اور معنیاتی تعبیر میں لچک اورتنوع کی اہمیت ضروری ہے۔اردو میں وزیر آغا، ناصر عباس نئیر، گوپی چند نارنگ، نظام صدیقی، شافع قدوائی، ضمیر علی بدیوانی جیسے ناقدین نے اس نقطہ نظر کو سراہا ہے اور معنی گو قرأت کی باہمی تفاعل سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ گوپی چند نارنگ کے مطابق :

"اخذ معنی کے متن سے قاری (یا سامع)کامتصادم ہونا ضروری ہے۔ متن میں کچھ نہ کچھ جگہیں خالی (Blanks)ہوتی ہیں جنھیں صرف قاری بھرسکتا ہے۔"(۶)

اس تھیوری کے مطابق زبان کی اہمیت بطور ایک میڈیم کے مانی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زبان کو سمجھے بغیر اس تھیوری کی اساسیات کو سمجھنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ کیوں کہ زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک پیچیدہ اور تغیر پذیر سماجی تشکیل ہے جو معنی کی تعین کے بجائے اس کے تشکیلی امکان، کثرت اور تعبیر میں فعال کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے لحاظ سے معنی ایک مسلسل التوا اور عدم تعین کے عمل سے گزارتی رہتی ہے۔۔اس تھیوری کے ذریعے سے مغرب میں ساختیاتی لحاظ سے انقلاب لایا گیا اور ادبی متون کی تعبیر و توضیع کے دوران متنوع لسانی سرگرمیوں کی نشان دہی ہوئی ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس قابلِ ذکر ہے:

"جس طرح ساختیاتی لسانیات زبان کی گہرائی یا زیریں سطح پر لسانی ساختوں کو نشان زد کرتی ہے۔اردو دریافت کرتی ہے اسی کی بدولت معاصر تنقید ادبی متون میں معنیاتی ساخت کو دریافت کرتی ہے۔ اس تعبیراتی حربے /Toolسے کسی بھی متن یا کسی بھی مظہر کی تہ نشین ساخت کو نمایاں یا دریافت کیا جاتا ہے۔ وہ معنیاتی نظام جسے ساختیات نے دریافت کیا اور اس کا کلی تصور پیش کیا ،مابعد جدید لسانی تھیوریوں نے اس معنیاتی نظام کو غیر مستحکم ،عدم تسلسل اور تغیر پذیر مظہر کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ تھیوریاں اس تصور کو چیلنج کرتی ہیں کہ زبان اور متن کے معانی مستقل، معروضی یا کسی حتمی حقیقت کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔"(۷)

اس تھیوری سے پہلے عام لسانیات کا رواج تھا جس میں زبان کی ابتدا ،تاریخ وارتقا کی ظاہری شناخت سے لے کر دیگر زبانوں کے ساتھ تعلق اور اس کے اصول و ضوابط کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ زبان کے مطالعے میں وسعت آتی گئی اور جدید لسانیات کے ساتھ ساختیات اور علم لسانیات کا رواج عام ہوا۔ یہ ماڈل مابعد جدید تھیوری کی لسانیاتی اساس ہے۔ درج ذیل فارمولے کے مطابق زبان کو سمجھا جاتا ہے

لفظ = شے یا Thing = Word

اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اشیاء کو نام دینے والا نظام کیسے پیدا ہوا۔ یا ہم کیوں کہ کسی شے کو نام دیتے ہیں۔ دیگر یہ کہ ایک انسٹا کا وجود کیوں کر ممکن ہوا؟ اسے کس نے بنایا؟ وہ ان سوالات کو سوچتا رہا ،کھوجتا رہا اور اس پر یہ عقدہ کھل کہ یہ چیزیں جس میں انسان بھی شامل ہے ،پہلے سے موجود ہیں جس کی نقل کی گئی ہے۔ یعنی افلاطون کے نظریے کے مطابق کائنات میں ان تمام چیزوں کے تصورات کہیں نہ

کہیں موجود ہیں۔ یعنی یہ پورا عالم کسی اور دنیا کی نقل ہے۔ جو ہمارے ذہن میں آتا ہے اور اسی کے حساب سے یہ اشیاء کو پیش کرتا ہےیہ افلاطون کا نظریہ تھابعدمیں ارسطو نے ا س کے خلاف نظریہ پیش کیاکہ کوئی بھی چیز عالم مثال کی نقل نہیں ہے۔ مثلاً ایک درخت ہےتو وہ پہلے سے بیج کے اندر موجود ہے اور ا س سے وجود میں آتا ہےیوں یہ نظریہ افلاطوں کے نظریے کی ضد بن گیا اور اس کی نفی کرتا ہے۔

اگرچہ ابتد امیں زبان کا مطالعہ تاریخی نوعیت کا ہی رہا مگر اسے سمجھنے کے لیے تاریخی لسانیات کے عمل کو سمجھنا ضروری تھا،جس کی نوعیت تاریخی کی بجائے سائنسی تھی۔ اس لیے ساختیاتی لسانیات کا آغاز ہوا۔ یہ زبان کی ساخت معلوم کرنے یا مرتب کرنے کا ایک طریقہ کار ہے۔ یعنی یہ زبان کی تہہ نشین ساخت کی شناخت کرتی ہے جس کے ذریعے سے زبان کو گہرائی تک سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

"ساختیات ایک ایسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی کہ تمام انسانی فلسفوں میں ارتباط پیدا کر کے۔۔۔ساختیات فقط ایک فلسفیانہ اصول اور بریقہ کار ہےبطور طریقہ کار ساختیات کی فکری نہج ایسی ہے کہ ایک نظام کے تحت لا کر تمام سائنسوں میں باہمی ربط پیدا کیا جائے۔"(۸)

ایک اور جگہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ناصر عباس نئیر لکھتے ہیں:

"ساختیات کسی ثقافتی مظہر کے کلی نظام(ساخت)کو دریافت کرنے کا طریقہ کارہے ۔"(۹)

مابعد جدید تھیوری میں ساختات اورساختیاتی تنقید لسانیاتی بنیادیں فراہم کرتی ہے جو معنیاتی نظام کی رکھنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔

اگر ہم جدید تھیوری کی معنیاتی نظام کی لسانی جہات کا تجزی کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سوسیئر کا لسانی ماڈل ساختات کی بنیائی اکائی ہےسو سیئر کے ماڈل کو دو بنیادی اصطلاحات لانگ اور پارول کے ذریعے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔جن کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے

۱۔ لانگ/لسان-Langue

یہ زبان کو وہ جامع نظام ہے جو زبان کو وجود میں لاتا ہے۔اس کے کچھ خاص اصول و ضوابط ہیں۔ یعنی مختصر لفظوں میں لانگ زبان کے اس نظام کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے روزمرہ کی گفتگو کی جاتی ہے یہ یہ بھی مدِ نظررہے کہ گفتگو لانگ سے باہر رہ کر ممکن نہیں ہوتی۔ لانگ کو زبان کا ابلاغی نظام بھی کہا گیا ہےجس کی وضاحت کرتے ہوئے ناصر عباس نئیر یوں لکھتے ہیں:

"لسان/لانگ زبان کا وہ تہہ نشین نظام ہے جس کی وجہ سے اور جس کےتحت ہر قسم کا زبانی وتحریری کلام ممکن ہوتا ہے، لسان یا لانگ کو جامع تحریری نظم بھی کہا گیا ہےکہ یہ مخفی یاپس منظر میں رہ کر ہر قسم کے تکلم اور اظہارکو ممکن بناتا اور اسے کنٹرول کرتا ہےلسان/لانگ کا مفہوم بڑی حد تک وہی ہے جو گرامر کا ہے۔ یعنی زبان کے قواعد و ضوابط کا نظام۔"(۱۰)

اس کی مزید تشریح کے لیے گوپی چند نارگ کے الفاظ میں یہ اقتباس پیش خدمت ہے:

"Langue سےکم و بیش وہ تصورمراد ہے جس کو عرف عام میں لسان کہتے ہیں۔لسانی قواعد و ضوابط و رویات کا وہ جامع ذہنی تصور جس کی رو سے ہم کسی لسانی سماج میں ترسیل و ابلاغ کا کام لیتے ہیں ۔"(۱۱)

۲۔ پارول/کلام

وہ گفتگو جو روزمرہ میں ہوتی ہے اور لانگ ہی کے تحت جاتی ہےیعنی وہ کلام جو قواعد کے جامع نظام میں رہ کر تکلم بنتا ہے۔ سوسئیر کے خیال میں اگر شطرنج پارول کی مثال کے طورپر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ا س کے لیے کھیلی جانے والی والی چال کو پارول سےتشبیہ دی گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ لانگ ایک کلی نظام ہے جب کہ پارول اس کے ماتحت ہوتا ہے۔اس کے بارے میں ناصرعباس نئیر کے الفاظ یہ ہیں :

"لسان اگر زبان کا تجریدی/غیر مادی رخ ہے تو کلام اس کا تجسیمی/مادی پہلو ہے۔ لسان اجتماعی ہے تو کلام انفرادی ہےلسان کو بلا ارداہ حاصل کیا جاتا ہے (مادری زبان کی حد تک)اور کلام ایک ارادی فعل ہے۔ لسان زبان کا لاشعور ہے تو کلام شعور ہی ہےاور جس طرح لاشعور تک براہِ راست رسائی ممکن نہیں ہوسکتی،اس تک رسائی کا ذریعہ شعور ہی ہے، اسی طرح لسان تک پہنچنے کے لیے کلام کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تجسیم کے راستے سے تجرید کو گرفت میں لایا جاتا ہے۔"(۱۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لانگ اورپارول ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی کوئی پارول لانگ کے بغیر کوئی وجود نہیں رکھ سکتا۔لانگ اپنے ابلاغ کے لیے پارول کی محتاج ہے۔ان کے تعلق کے بارے میں سوسئیر لکھتے ہیں :

"The Faculty of Articulating word is put to use only by means of the linguist instrument created and prortded by Society." (۱۳)

اس طرح اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زبان کے کے نظام میں لسان کی مرکزی حیثیت ہے۔ یوں نشان زبان کی اکائی بن کر سامنے آتا ہے اس طرح اس اکائی میں معنی ملحوظ ہوتا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت گوپی چند نارنگ کے الفاظ میں یوں کی گئی ہے:

"زبان صرف لفظوں کے ذریعے عمل آراء نہیں ہوتی ،زبان کام کرتی ہے۔ نظامِ نشانات کی رو سے لفظ جس کا محض نظرآنے والا سرا ہے۔ نظام نشانات، تجریدی ہے اور لسانیات کا کام اس نظام نشانات کے اصولوں اور جگہوں کو دریافت کرنا یعنی زبان کی کلی ساخت کو دریافت کرنا ہے۔"(۱۴)

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان کے ابلاغ کے لیے یہ اشیاء Toolsضروری ہیں اور ان کے ذریعے سے ساختیاتی مطالعے میں مدد ملتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ Arnold, Methew, Culture and anarchy, Oxford University Press , Oxford 1886
۲۔ ارشد محمود ،عصری تنقیدی رجحانات:اردو میں مابعد جدید تھیوری کی معنیاتی تعبیرات کا مطالعہ(غیر مطبوعہ مقالہ)پی ایچ ڈی، نمل یونیورسٹی ، اسلام آباد،جون ۲۰۲۵ء،ص۴۶
۳۔ ایضاً،ص ۴۸
۴۔ ایضاً ،ص ۴۸۔۴۹
۵۔ ڈاکٹر وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، سانجھ پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۲ء،ص۱۵۰
۶۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اورمشرقی شعریات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء،ص۲۸۳
۷۔ ارشد محمود ،عصری تنقیدی رجحانات:اردو میں مابعد جدید تھیوری کی معنیاتی تعبیرات کا مطالعہ، ص۵۶۔۵۷
۸۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اورمشرقی شعریات،ص۳۵
۹۔ ناصر عباس نئیر، ساختیات: ایک تعارف، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء،ص۱۴
۱۰۔ ایضاً،ص۲۱۷
۱۱۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اورمشرقی شعریات،ص۶۲
۱۲۔ ناصر عباس نئیر، ساختیات: ایک تعارف،ص۲۱۷
۱۳۔ ایضاً،ص۲۲۲
۱۴۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اورمشرقی شعریات،ص۶۲